

اقبال، تعلیم اور استاد

ڈاکٹر نجیب الحق^o

تاریخ میں تعلیم اور نظام تعلیم قوموں کے عروج و زوال کی اہم بنیاد رہا ہے۔ جس قوم نے بھی تعلیم کی اہمیت کو صحیح طریقے سے جانا اور اپنے تشخص اور نسل نو کی تربیت کا انتظام کیا وہ دنیا میں سرخرو ہوئی۔ تعلیم قوموں کے بناؤ اور بگاڑ میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ ”بے شک میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص علم کے حصول کی راہ میں چلا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتے ہیں اور بے شک ملائکہ اپنے پروں کو علم کے طالب کی خوشنودی کے لیے بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لیے زمین و آسمان کی تمام اشیاء مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور مچھلیاں پانی کے پیٹ میں۔ اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں کے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر۔“ (مشفق علیہ)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: **ظَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ** ”علم کا حصول ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔“

یہ بات واضح ہے کہ ہر مسلمان تمام دینی علوم حاصل نہیں کر سکتا لیکن اس حدیث کے مطابق ہم پر چار چیزوں کی تعلیم فرض ہے:

o ڈین، پشاور میڈیکل کالج، پشاور

اول، عقیدے کی درستی: اتنی تعلیم جس کے ذریعے ہم اپنے عقیدے کو درست کر لیں، مثلاً توحید، رسالت اور آخرت جیسے عقائد کے بارے میں جاننا اور سمجھنا۔ اس سے کسی کو بھی استثنائی حاصل نہیں چاہیے وہ دنیاوی طور پر پڑھا لکھا ہو یا نہ ہو۔ ہر عاقل بالغ مرد اور عورت پر یہ فرض ہے۔
دوم: اتنے علم کا حصول جس سے ہم اپنی عبادات کو درست طریقے سے ادا کر سکیں، مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا یا حج کرنا۔

سوم: لوگوں سے درپیش روزمرہ کے معاملات کی درست طریقے سے ادائیگی کے بارے میں علم، جس میں ان کے حقوق اور ہمارے فرائض شامل ہیں، مثلاً پڑوسی کے حقوق، والدین کے حقوق، بچوں کے حقوق وغیرہ۔

چہارم: اپنے پیشے سے متعلق دین کا اتنا علم جس سے ہم اپنے پیشہ ورانہ فرائض دین کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ادا کر سکیں اور ہم اپنے پیشے میں دین کے خلاف کوئی کام نہ کریں، مثلاً ایک ڈاکٹر کو طب کی تعلیم سے متعلقہ دین کا اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے وہ اپنے پیشے کو دین کے مطابق ادا کر سکے۔

جنگ بدر میں جنگی قیدیوں کو چند افراد کو علم سکھانے کے بدلے آزاد کیا گیا۔ یہ شاید تاریخ میں واحد مثال ہے کہ جنگی قیدیوں کو اس طرح آزاد کیا گیا ہو اور اس سے اسلام میں علم اور تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدینہ میں ایک صحابیؓ آواز بلند کرتے ہیں کہ لوگو تم سب کدھر ہو وہاں تو (مسجد نبویؐ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ بھاگ کر جاتے ہیں تو وہاں تعلیم و تعلم کا حلقہ دیکھتے ہیں جس کو آپؐ کی میراث کہا گیا تھا۔

موجودہ صورت حال

بد قسمتی سے موجودہ نظام تعلیم میں پہلی جماعت سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک، پورے کورس اور دورانیے میں شاذ ہی طالب علم کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ اچھا انسان اور مسلمان کیسے بننا ہے؟ تعلیمی نصاب سے اسلام اور اقدار کو تقریباً ختم کر دیا گیا ہے۔

ہم بحیثیت قوم/امت علم کی اہمیت کو شاید ابھی تک نہیں سمجھ سکے اور آج ہم اسی کا خمیازہ

بھگت رہے ہیں۔ بقول اقبال:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
دوسری طرف عالمی قوتیں تعلیم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہودیوں کی کتاب (جس
کی تصدیق و نسٹن چرچل اور ہنری فورڈ نے بھی کی ہے) 'ڈی پروٹوکولز' (The Protocols) میں
تعلیم کے بارے میں خصوصی طور پر لکھا ہے۔ پروٹوکول نمبر ۲ میں درج ہے:

[ترجمہ] غیر یہودی دانش وران نظریات سے لیس ہو کر بغیر کسی منطقی تصدیق کے ان
نظریات کو رُو بہ عمل لانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے ماہر گماشتے اپنی کمال عیاری
سے ان کی فکر کا رخ اس طرف موڑ دیں گے جو ہم نے ان کے لیے پہلے سے مقرر کی ہوئی
ہے۔ آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خالی خالی الفاظ ہیں۔
اس کے بعد درج ذیل پیراگراف بھی دیکھئے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ قوموں کے
افکار میں تبدیلی کو وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کتنا ضروری سمجھتے ہیں:

[ترجمہ] ہمارے لیے دوسری قوموں کے خیالات کا تجزیہ کرنا اور ان کے خصائل و
کردار کا مطالعہ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ سیاسی اور انتظامی امور میں (ہماری)
معمولی سی کوتاہی کا احتمال بھی باقی نہ رہے۔

نظام تعلیم کے بارے میں اقبال کا نظریہ

اقبالؒ کو اس کا مکمل ادراک تھا کہ تعلیم ہی وہ بنیادی عنصر ہے جو قوم کے بناؤ اور بگاڑ میں
سب سے بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور جس کے دُور رس اثرات قوم کے عمومی مزاج اور اوسوچ پر
مرتب ہوتے ہیں۔ اقبالؒ نے فرمایا:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر
ثاثر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر
موجودہ نظام تعلیم کا بنیادی ہدف نوجوان طبقہ ہے، تاکہ آنے والی نسلوں کی سوچ مغرب
ہی کی تہذیبی اور تعلیمی معیارات اور روایات کے مطابق ہو اور اس تعلیمی نظام کے ذریعے ایسے افراد
تیار ہوں جو اپنی شناخت کھو کر ان آقاؤں کی غیر موجودگی میں ان کے موجودہ آلہ کاروں سے بھی

بہتر طریقے سے اس ملک کا نظام ان کی مرضی کے مطابق چلائیں۔ اس ضمن میں اقبال کہتے ہیں:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

وہ آنکھ کہ ہے سرمہِ افرنگ سے روشن پُرکار و سخن ساز ہے، نم ناک نہیں ہے

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
اقبال سمجھتے ہیں کہ اس نظام نے پوری نسل کی ذہنی غلامی اور تباہی میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی۔ ساتھ ہی انسانی عقل کو عقلِ گل کا درجہ دے کر وحی اور روحانی تصورات کو پس پشت
ڈال دیا گیا ہے۔ اس میں خودی اور وجدان ناپید ہیں:

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!
پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
وہ اسی لیے مادہ پرست نظام، جس میں دولت کو سب کچھ سمجھ لیا گیا، کے مقابلے میں ایسی
تربیت پر زور دیتے ہیں، جو صرف عقل کی بنیاد پر قائم نہ ہو اور جس میں مادی علوم کے ساتھ ساتھ
روحانیت اور وجدانیت بھی پروان چڑھے:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

اور:

دل بیٹا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ہے
جب ہر چیز کی کسوٹی مادیت بن جاتی ہے تو اس کا نتیجہ نہ صرف انسانی رشتوں کی کمزوری
بلکہ کافی حد تک ختم ہونے اور خدا کے وجود سے عملی انکار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

الحاد آج کے نوجون کا ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ سائنس کے نام پر ذہنوں میں خدا کے
وجود اور ضرورت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے گئے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کے

مقابلے میں اسلام زندگی کا جو تصور دیتا ہے اسے مکمل طور پر ہر تعلیمی نظام سے نکال دیا گیا۔ آج ہم اس ایک طرف ذہن سازی کا نتیجہ الحاد کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ تعلیم کے ذریعے ذہن کو اس سانچے میں ڈھالنے کے بارے میں اقبال نے فرمایا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم تو سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
اس کے ساتھ ہی ایک اور فتنہ آزاد خیالی کے نام پر پھیلا یا جا رہا ہے، جو ہماری نئی نسل
کے ذہنوں کو خصوصی طور پر پرانہ کر رہا ہے۔ لگتا ہے میڈیا کو تو بس اسی کام پر لگا یا گیا ہے کہ
وہ اسلام اور پاکستان کے بارے میں منفی سوچ پیدا کرے۔ بے مقصد تعلیم اور آزادی افکار کے
خوش نمائندوں سے ذہنی تبدیلی کا عمل جاری ہے۔ جب معاشرے اور تہذیب سے اسلامی شعائر کا
خاتمہ ہو جائے تو مسلمان عملاً اسلام اور رفتہ رفتہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں:

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ
آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!
ہر قوم اپنے مقاصد اور نظریات کے حصول لیے کام کرتی ہے۔ یہ بات تو یقیناً اہم ہے کہ
ہر کوئی دوسروں کی پلاننگ کو سمجھے اور اپنے لائحہ عمل میں اُن کی اچھی باتوں کو لینے اور بری باتوں سے
احتراز کا بندوبست کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی اشد ضروری ہے کہ وہ اپنے مقاصد اور
اہداف اپنے معیارات، مفادات اور نظریات کے مطابق ترتیب دے۔ صرف دوسروں پر تنقید سے
کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اصل بات تو خود تعمیری اور مثبت کام کرنا ہے۔ بغیر کسی پلاننگ کے اور
بلا سوچے سمجھے صرف ڈنڈے سے نظام تبدیل نہیں ہوتا اور نہ یہ تبدیلی دیر پا ہو سکتی ہے۔

اور انتہائی قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ مسلمان قوم کے پڑھے لکھے (میں جان بوجھ کر
'تعلیم یافتہ' کا لفظ استعمال نہیں کر رہا) افراد کو یا تو اس صورت حال کی خبر ہی نہیں یا اس کی اہمیت کا
احساس نہیں رکھتے۔ اقبال نے اس کا اظہار یوں فرمایا:

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی اس اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائے اور ان اہم حقیقتوں کی نشان دہی کرے تو لوگ اس کو نہ صرف غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر جب ان ہی کے بچے ان کی توقعات کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں تو پھر یہی لوگ نظام اور معاشرے سے گلے شکوے بھی کرتے ہیں کہ ان کے بچے بگڑ رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس بگاڑ کا ذمہ دار کون ہے؟

یہاں اگر مولانا مودودی رحمہ اللہ کے اسلامیہ کالج میں طلبہ سے خطاب سے موجودہ نظامِ تعلیم کے بارے میں چند اقتباسات کا حوالہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس وقت (جب نظامِ تعلیم میں ایسی گمراہ کن تبدیلیاں کم ہی ہوئی تھیں جو آج ہیں) کے مسلمان مفکرین کی رائے ایک ہی تھی۔ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

دراصل میں آپ کی اس مادرِ تعلیمی کو اور مخصوص طور پر یہی نہیں بلکہ ایسی تمام مادرانِ تعلیم کو درس گاہ کی بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کیے جاتے رہے ہیں اور یہ ڈگریاں جو آپ کو ملنے والی ہیں، یہ دراصل موت کے صداقت نامے (Death Certificates) ہیں جو قاتل کی طرف سے آپ کو اس وقت دیے جا رہے ہیں، جب کہ وہ اپنی حد تک اس بات کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے آپ کی گردن کا تسمہ تک لگا رہنے نہیں دیا ہے....

یقین جانے یہ بات میں مبالغہ کی راہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، اخباری زبان میں 'سنسنی' پیدا نہیں کرنا چاہتا، فی الواقع اس نظامِ تعلیم کے متعلق میرا نقطہ نظر یہی ہے.....

ہر قوم کے بچے دراصل اس کے مستقبل کا محضر ہوتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ محضر ایک لوحِ سادہ کی شکل میں آتا ہے اور قوم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خود اس پر اپنے مستقبل کا فیصلہ لکھے۔ ہم وہ دیوالیہ قوم ہیں جو اس محضر پر اپنے مستقبل کا فیصلہ خود لکھنے کے بجائے اسے دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ اس پر جو چاہیں مثبت کر دیں خواہ وہ ہماری موت ہی کا فتویٰ کیوں نہ ہو۔ (تعلیمات، ص ۵۳-۵۴، ۵۸)

اگر اس وقت حالت یہ تھی تو آج کے حالات کا ہم خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایسے میں

مسلمان مفکرین اور اساتذہ کرام کی ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

استاد کے نام اقبال کا پیغام

حالات کی تبدیلی میں استاد ہی بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے۔ بحیثیت مسلمان، استاد کو نہ صرف اس پوری صورت حال کو اچھی طرح سمجھنا ہے کہ یہ نظامِ تعلیم ہی ہماری بربادی کا اصل سبب ہے، بلکہ اس کی اصلاح کے لیے اسے اپنا انفرادی اور اجتماعی کردار بھی ادا کرنا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری مکاحقہ پوری کر لے تو دُور رس نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القرئی والمدن، حدیث: ۸۶۷) کا مفہوم ہے کہ ”ہر ایک اپنے حلقہ اثر میں ذمہ دار ہے“۔ ہم گھر میں اپنے بچوں اور سکول یا کالج میں اپنے طلبہ کی صحیح تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ جو کام ہمارے ذمے ہے وہ ہم نے کرنا ہے اور جو کام ہم نہیں کر سکتے اس میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا۔ لیکن جو کام ہم کر سکتے ہیں وہ ہمیں ضرور کرنا ہے کیوں کہ ہمیں جواب اور حساب اسی کا دینا ہوگا۔ البتہ جو لوگ اس کے لیے اجتماعی جدوجہد کر رہے ہیں، حتیٰ الوسع ان کا پیشتی بان بھی بننا چاہیے۔

علم اور فن (Knowledge and Skill) دونوں تعلیم کے اہم ستون ہیں لیکن جب تک تیسرا ستون، یعنی ذہن (attitude) مثبت انداز میں نہیں بدلے گا اور طالب علم کو بحیثیت انسان اور مسلمان اپنے مقام اور ذمہ داری کا صحیح ادراک نہیں ہوگا تب تک وہ معاشرے میں مثبت تبدیلی کا ذریعہ نہیں بن سکے گا۔ نظام کے بدلنے کا انتظار کرنے کی بجائے ہمیں اپنے اپنے ذمہ دار حلقہ میں کام کرنا چاہیے اور اگر ہم شعوری طور پر اس کو ایک قومی اور دینی ذمہ داری تسلیم کر لیں تو پھر ہر ادارے اور ماحول میں اپنا کام کر سکتے ہیں اور اللہ سے اجر کے امیدوار بھی بن سکتے ہیں۔

رویوں (attitude) کو بدلنے کے لیے ہم مقدور بھر کوشش کرنے پر ہی مکلف ہیں۔ نتیجے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ اس نے ہم سے اجر کا وعدہ بھی نتیجہ پر نہیں اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے پر کیا ہے۔ لیکن اگر ہم نے کوشش ہی نہیں کی تو اس کے لیے ہمیں ضرور جواب دینا ہوگا۔ مرد، عورت، جو نیوز اور سینئر سب لوگ اپنی اپنی جگہ جواب دہ ٹھہریں گے۔

استاد کا تو بنیادی کام ہی شاگردوں کی روح کے علاج کی فکر کرنا ہے، یعنی ان کے اخلاق و کردار پر توجہ دینا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی
لیکن اگر استاد کو اس ذمہ داری کا احساس ہی نہ ہو تو وہ یہ کام کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے پہلی اہم بات یہ ہے کہ استاد اپنے کام اور مقام کو سمجھ جائے اور اسے اپنی ذمہ داری کا احساس اور ادراک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو معلم کہا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک استاد کے لیے فخر کی بات کیا ہو سکتی ہے! استاد ہی تعلیمی نظام میں محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اس نظام کے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر استاد کا اپنا ذہن صاف، تصورات واضح اور تربیت ٹھیک ہو تو وہ ہر حال اور ہر نظام میں اہم، مثبت اور کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے لیکن اگر اس کا ذہن پرانہ، تصورات مبہم اور مقصد غیر واضح ہو تو اچھے سے اچھا نصاب اور تعلیمی نظام بھی سود مند ثابت نہیں ہوگا۔

استاد کی حالت یہ نہ ہو کہ نام تو مسلمان کا ہو اور مقصد کسی اور کا پورا کر رہا ہو۔ اپنی تعلیمی استعداد بڑھانے کے لیے وہ کسی بھی ادارے اور یونیورسٹی سے تربیت / ٹریننگ حاصل کر سکتا ہے۔ بس بقول اکبر الہ آبادی ایک بات ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے کہ:

بس ایک سخن بندہ عاجز کا رہے یاد اللہ کی اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو
بد قسمتی سے آج اساتذہ کی اکثریت ایسی نہیں ہے۔ غیروں میں رہ کر یا ملک کے اندر ان کے قائم کردہ اداروں میں ٹریننگ کے نام پر جس رنگ میں وہ رنگ جاتے ہیں، وہ اپنے شاگردوں کو وہی رنگ منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی اساتذہ کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:
ترا وجود سراپا تجلی افرنگ کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی فقط نیام ہے تو، زرنگار و بے شمشیر!
آج ہمارا المیہ ہی استاد ہے۔ اور اسی لیے اقبال گلہ بھی استاد ہی سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
فکرِ معاش ایک ضرورت ہے۔ لیکن کیا معاش ہی سب کچھ ہے؟ اور کیا اسی گرداب میں پھنس کر ہم اور بہت کچھ تو نہیں گنوار ہے اور اپنے اصل کام اور مقصد سے غافل تو نہیں ہو گئے؟
بد قسمتی سے آج ہم بس فکرِ معاش میں ہی الجھ کر رہ گئے ہیں۔

اسی حالت کو اقبال نے یوں بیان فرمایا:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل کی آزادی شہنشاہی، شکمِ سامانِ موت فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!
ہمارا ایمان ہے کہ جو رزق اللہ نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے وہ ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا،
البتہ اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اس کے لیے جدوجہد کرنا فرض ہے۔ استاد کو وقتی فوائد،
گریڈ، چاہلوسی، کام چوری اور اسی طرح کی دوسری زنجیروں کو کاٹنا ہوگا کہ جب تک اس کے
پاؤں میں یہ زنجیریں پڑی رہیں گی تب تک وہ ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے طرف دلجمعی سے آگے نہیں
بڑھ سکے گا۔ رزق حلال کا حصول اگر ہم ضرورت کی حد تک رکھیں تو یہ نہ صرف جائز بلکہ احسن ہے۔
تعلیم اور تربیت دونوں استاد کی ذمہ داری ہے۔ جب یہ دونوں موجود ہوں تو نتیجہ علم نافع

کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسی ہی تعلیم کو اقبال امت کی زبوں حالی کا علاج سمجھتے ہیں:

مُرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلم شوریدہ سر لازم ہے رہرو کے لیے دُنیا میں سامانِ سفر
شیرائی غائب نہ رہ، دیوانہ موجود ہو غالب ہے اب اقوام پر معبودِ حاضر کا اثر
اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیمِ مثلِ نیشتر
ایک مسلمان استاد جہاں کہیں بھی ہو اسے تعلیم و تربیت کا فرض نبھانا ہے۔ اسے معلوم ہونا
چاہیے کہ دل و دماغ آزاد ہوں گے تو ان شاء اللہ پھر حالت یہ ہوگی کہ:

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے افلاک منور ہوں تیرے نورِ نظر سے

اور اس لیے اقبال استاد سے دردمندانہ درخواست کرتے ہیں کہ:

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت! دے ان کو سبقِ خودِ شگنی، خودِ نگرِی کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی داڑو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
استاد کو نہ صرف اس عیارانہ اور کافرانہ حکمتِ عملی کے نتیجے میں نظامِ تعلیم میں پیدا ہونے والی
خرابیوں کا مکمل ادراک کرنا ہے بلکہ اس کی اصلاح کے لیے اس کا رخیر میں اپنا حصہ بھی ڈالنا ہے۔
انفرادی کوششیں مل کر ہی اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ہمیں غیروں کے رنگ میں رنگ کر
اس نظام کو تقویت نہیں دینی کہ یہ تو کاروبارِ لات و منات ہی کو زندہ کرنے میں آلہ کار بننے کے

مترادف ہوگا۔ استاد کو نہ صرف اپنی ذاتی تربیت اور صلاحیت کی فکر کرنی ہے بلکہ بہت سوچ کر یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا کہ وہ جو تعلیم اپنے شاگردوں کو دے رہا ہے اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ بقول اقبال:

حریم تیرا، خودی غیر کی! معاذ اللہ دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارات و منات
اپنے اقدار، تہذیب اور دین کو دوبارہ زندہ کرنے کی جدوجہد ہر فرد کی انفرادی اور بحیثیت
مسلمان قوم ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے۔ مگر اس کے لیے اُن تھک محنت اور منظم جدوجہد اولین
شرط ہے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ یہ آسان کام نہیں ہے یہ غیروں کی صدیوں کی محنت اور ہماری صدیوں
کی غفلت اور ذہنی غلامی کی پیدا کردہ صورت حال کا نتیجہ ہے۔

بد قسمتی سے مسلم دنیا کے حکمرانوں اور اہل دانش مل کر مسلمانوں کے نظام تعلیم کو خراب اور
برباد کرنے میں اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

ہمیں بحیثیت مسلمان استاد یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ معلمی پیشہ نہیں بلکہ ایک
مشن ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ معلم کا کام صرف معلومات منتقل کرنا نہیں بلکہ
طلبہ کی تربیت اور تزکیہ بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اگر ایک طالب علم کو اسلام کے مطابق
'مقصد زندگی' کی تعلیم نہ دی جائے اور وہ اپنی تعلیم کو صرف دنیاوی آسائشوں اور حصول دولت کا ذریعہ
سمجھنے لگے، تو اُس سے فراغت کے بعد معاشرے میں ایک تعمیری اور مثبت کردار کی توقع عبث ہوگی۔

پاکستان کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں وسائل کی کمی نہیں بلکہ ایک ایسی مخلص، قابل اور
صالح قیادت اور انتظامیہ (بیوروکریسی) کی کمی ہے جو موجودہ وسائل کا صحیح استعمال کرے اور اس
ملک کے عوام کی تقدیر بدل دے۔ ایسے افراد اسی نظام تعلیم کی پیداوار ہو سکتے ہیں جس کا مطمح نظر
اور مقصد ایسے باکردار اور باصلاحیت افراد تیار کرنا ہو۔

اساتذہ کی اپنی تربیت موجودہ تعلیمی نظام کو قومی اور اسلامی خطوط پر استوار کرنے میں اہم
کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ان کی مشترکہ جدوجہد سے قوم کے نو نہال پوری امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ
بن سکتے ہیں۔ علم کے ذریعے تبدیلی کی جدوجہد ہر مسلمان استاد کا قومی فریضہ اور دینی ذمہ داری ہے۔
اگر اسے زندگی میں یہ تبدیلی دیکھنا نصیب ہوگئی تو فہما، اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو پھر بھی اسے اللہ کے
حضور سرخرو ہونے کی قوی امید رکھنی چاہیے۔